غلام گردش

راؤ منظر حیات

فکری تبدیلی کی ضرورت ہے!

ہم بھی عجیب سے مشکل لوگ ہیں۔ جس خطہ سے وابستہ ہیں اس کی ڈھائی ہزار سالہ تاریخ میں انصاف، انسانی حقوق، دولت کی منصفانہ تقسیم اور قانون کی بالادستی کا نام ونشان نہیں ملتا۔ برصغیر سونے کی وہ چڑیا تھا جو اکثر غاصبوں کے پنجرے میں قید رہی۔ وسطی ایشیا اور شمالی افغانستان سے ہارے ہوئے لوگ اٹھتے تھے اور دہلی پر قابض ہو جاتے تھے۔ بابر آبائی علاقہ میں اپنی موروثی حکومت حاصل کرنے میں مکمل طور پر ناکام رہا۔ مگر برصغیر کو اس طرح مفتوح کر ڈالا جیسے بات ہی کچھ نہیں۔ سلاطین دہلی کا بھی یہی حال تھا۔ ذرا غور فرمائیے ترک غلام، برصغیر جیسے عظیم خطے پر بغیر کسی تکلف کے صدیوں حکومت کرتے رہے۔ غلاموں کا ذکر کر رہا ہوں۔ یعنی یہ واحد خطہ ہے جس میں ہمارے آقا، دراصل آزاد کردہ غلام تھے۔ حیرت انگیز سچ یہ بھی ہے کہ ہمارے خطے کو برباد کرنے والے ہمارے ''ہیرو'' بنا دیئے گئے۔ یعنی جس نے بھی ہمارے علاقوں میں لوٹ مار کی، مقامی خواتین اور بچوں کو برہنہ پا سینکڑوں میل دور لے جا کر فروخت کر ڈالا، ہم نے انہیں محسن قرار دیا۔ کیا آپ کو یہ بات غیر معمولی نہیں لگتی کہ جس بھی آدمی، گروہ یا ریاست نے افغانستان اور وسطی ایشیا سے آنے والے غاصبوں کے سامنے سر اٹھایا، اسے شکست خوردہ پیش کیا گیا۔ تاریخی سچ یہ ہے کہ مقامی مزاحمت کرنے والوں کو حد درجہ منفی بنا دیا گیا۔ یہ معاملہ آج بھی جاری ہے۔ برصغیر میں غیر متعصب تاریخ لکھنے، پڑھنے اور جاننے کی اشد ضرورت ہے مگر اس کی اجازت ہمیں دی نہیں گئی۔ ہم نے جو تاریخ ترتیب دی۔ اس میں ولن کو ہیرو اور ہیرو کو ولن بنایا گیا۔ یہ ایک خوفناک بات ہے جو آج بھی اصل حقیقت ہے۔ اگر انگریز نہ آتے تو شاید آج بھی ہم ''ظل الٰہی'' اور ''بادشاہ سلامت'' کی اردل میں رہنے پر فخر محسوس کرتے۔ درست بات ہے کہ انگریزوں نے برصغیر میں اپنے تسلط کو قائم کرنے کے لئے بہت مظالم کئے۔ اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ یہ بات بھی تو تسلیم کرنی چاہئے کہ ان کی افواج اور نظام میں نوے فیصد کے لگ بھگ مقامی لوگ تھے۔ یعنی انگریز جان چکا تھا کہ صدیوں کی مسلسل پستی نے ہمیں سوچنے کی طاقت سے محروم کر دیا تھا۔ اور ہم چند روپوں کی خاطر اپنے ہم وطنوں کا گلا بڑے فخر سے کاٹ سکتے ہیں۔ مگر جہاں یہ منفی معاملات ہوئے وہاں انگریزوں نے ہمارے پورے نظام کی کایا پلٹ دی۔ برطانیہ سپر پاور تھا اور اس نے ہندوستان کو ہر وہ جدید چیز دینے کی کامیاب کوشش کی جس میں برطانیہ دنیا میں سب سے آگے تھا۔ ریلوے، بجلی، موٹر کار، ڈاک اور تار کا نظام، تعلیمی ادارے، بڑے بڑے ہسپتال، نہروں کا بہتر نظام اور اس طرز کے بہت سے بہتر کام انہوں نے بہر حال کیے۔ مگر ایک معاملے میں وہ صورت حال برپا ہو گئی جو کسی کے وہم وگمان تک میں نہیں تھی۔ مسلمانوں کی اکثریت نے جدید علوم کو پڑھنے سے مکمل اجتناب کیا بلکہ ان سے نفرت کے اظہار کے طور پر مذہبی تعلیم کو صنعتی انقلاب کے سامنے کھڑا کر دیا۔ یہ ایک مہیب ترین غلطی تھی جس کا خمیازہ ہم آج تک بھگت رہے ہیں۔ جس شخص نے بھی مغربی تعلیم حاصل کرنے کی طرفداری کی اسے ایک مخصوص سوچ کے تحت ''کافر'' قرار دے دیا گیا۔ ہمارے تمام قومی سطح کے رہنماؤں کو ہندوستان کی مذہبی درسگاہوں نے ''غیر مسلم'' ہونے کے فتوے دے ڈالا۔ شاید آپ کو یقین نہ آئے کہ ایک مذہبی درسگاہ کا فتویٰ موجود ہے کہ جو بھی ٹرین میں سفر کرے گا اس کا نکاح فاسخ ہو جائے گا۔ سرسید وہ پہلے شخص تھے جو یہ تمام معاملہ بھانپ گئے اور انہوں نے حد درجہ تنقید کے باوجود مسلمانوں کو مغربی تعلیم حاصل کرنے پر قائل کیا۔ سرسید احمد خان جیسے عظیم انسان کو ہم مسلمانوں اور ہماری دینی درسگاہوں نے جس طرح ذلیل ورسوا کرنے کی منظّم کوشش کی، وہ ایک المناک سچ ہے۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ آج کے دور میں ہمارے قدیم دینی درسگاہوں کی مقامی شاخیں کبھی بھی اپنا ماضی عام لوگوں کے سامنے نہیں لاتیں۔ ان کو معلوم ہے کہ اگر سب کو ان کے قدیم افکار کا علم ہو گیا تو موجودہ حالات میں ان کے لئے بہت زیادہ مشکلات کھڑی ہو جائیں گی۔

افسوس ناک امر یہ بھی ہے کہ آج بھی ہم اندر سے جدید علوم سے گھبراتے ہیں۔ دو ممالک کی مثال آپ کے سامنے رکھنا بہت ضروری ہے۔ ایک افغانستان اور دوسرا بنگلہ دیش۔ افغانستان آج سے چالیس سال پہلے ایک جدید ملک تھا۔ یونیورسٹیاں، کالج، خواتین کی تعلیم، جدید فکر کے لوگ، ان کے پاس ہر چیز تھی۔ وہ دنیا کے ساتھ قدم ملا کر چل رہے تھے۔ پھر پورے افغانستان کی جدت کو بارود کے ذریعے اڑا دیا گیا۔ شدت پسندوں اور بنیاد پرستوں کے ایک ایسے گروہ کو اس ملک پر حاوی کروا دیا گیا جو حد درجہ قدیم خیالات کے مالک تھے۔ آج کے حالات دیکھ لیجئے، پورے افغانستان میں بچیوں کی تعلیم ایک مسئلہ بنا دیا گیا ہے۔ مغربی لباس کو پہننا کفر ہے۔ مگر منافقت کا اندازہ فرمائیے کہ ''امداد'' آج بھی امریکہ ہی سے مانگی جا رہی ہے۔ اس صورت حال نے اب ہمارے ملک کو بھی تباہی کے دہانے پر کھڑا کر دیا ہے۔ مذہبی شدت پسند ہمارے ملک کی فوج اور عوام کے خلاف جہاد کر رہے ہیں۔ ہمارے ہزاروں فوجی اور عام لوگ اس ظلم میں شہید ہوئے ہیں۔ اور قیامت یہ ہے کہ ان دہشت گردوں کی بھرپور مدد اور انہیں ماڈل کے طور پر ہمارے چند دانشور مسلسل پیش کئے جا رہے ہیں۔ ان معدودے چند لوگوں نے ہمارے عوام کو فکری طور پر منتشر کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ افغانستان دہشت، جہالت، موت اور قتل کا گڑھ ہے اور یہ آگ بتدریج ہمارے ملک میں بھی سلگائی جا رہی ہے۔ خود فیصلہ کر لیجئے کہ موجودہ افغانستان بہتر ہے یا صرف چند دہائیاں پہلے کا افغانستان۔

دوسرا ملک بنگلہ دیش ہے جس نے تین دہائیاں پہلے ریاست کی سطح پر مشکل ترین فیصلہ کیا کہ ان کا ملک جدید فکر کے ساتھ صرف اپنے ملک کی بہتری کے متعلق کام کرے گا۔ یہ غیر معمولی فیصلہ تھا۔ اس نے بنگلہ دیش کی کایا پلٹ دی۔ ویسے عرض کرتا چلوں۔ بنگالی پورے برصغیر کی سب سے جدت پسند قوم ہے۔ آج کی ہماری مسلم لیگ کا قیام بنگال میں ہی ہوا تھا۔ بنگلہ دیش کی حکومت نے کپڑے کی صنعت کی طرف بھرپور توجہ دی۔ شدت پسندی کے خاتمے کے لئے آہنی اقدامات کئے۔ جس نے ریاست کے مفادات خلاف چوں بھی کی، اسے پھانسی پر لٹکا دیا۔ مذہب اور سیاست کو بھرپور طریقے سے علیحدہ کر دیا۔ اپنا آئین بھی جدید راستوں پر استوار کر ڈالا۔ یہ کوئی آسان فیصلے نہیں تھے۔ یہ صرف وہ قائدین لے سکتے ہیں جن کو اپنے ملک سے شدید محبت ہو۔ آج بنگلہ دیش ہم سے یعنی موجودہ پاکستان سے ہر لحاظ سے برتر اور بہتر ہے۔ ہمارے تاجر وہاں فیکٹریاں لگا رہے ہیں۔ یہ سب کچھ کیسے ہوا۔ بنگلہ دیش کی قیادت کو اندازہ ہو گیا کہ قدیم روایات کے ذریعے لوگوں کی فلاح ممکن نہیں ہے۔ جو شخص بھی ریاست کے خلاف چلے گا اس کے لئے کوئی معافی نہیں۔ لکھتے ہوئے بھی شرم آتی ہے کہ بنگلہ دیش کے ڈالر کے ذخائر آج چالیس بلین سے زیادہ ہیں، ان کی برآمدات ہم سے سینکڑوں گنا زیادہ ہیں۔ آبادی کے پھیلاؤ کی شرح ایک فیصد ہو چکی ہے۔ پورے خطہ میں بنگلہ دیش ایک جدید، امیر اور مستحکم ملک بن چکا ہے۔ آپ کے سامنے دو مسلمان ممالک رکھے ہیں۔ فیصلہ فرمائیے کہ عوام کے لئے کون سا ملک آسانیاں پیدا کر رہا ہے، افغانستان یا

بنگلہ دیش۔ فیصلہ آپ کی سوچ پر چھوڑتا ہوں۔

اب ذرا ہمارے حالات پر نظر دوڑائیے۔ ہم میں سے اکثریت دوسرے کے لئے بھرپور ناصح ہے۔ اپنے علاوہ ہر دوسرا شخص ہماری تنقید کا نشانہ ہے۔ ہم اسے زبردستی ''پرفیکٹ انسان'' بنانا چاہتے ہیں۔ ہر جگہ واعظ اور اسلاف کی اقدار پر بات کرنے والے لوگ براجمان ہیں۔ پوری دنیا میں سے عمرہ کے لئے جانے والوں کی تعداد پاکستان سے سب سے زیادہ ہے۔ ہم لوگ اپنے مذہبی مقامات پر رو رو کر اپنے ملک کی سلامتی کی دعائیں مانگتے ہیں۔ فلسطین اور کشمیر کی آزادی کا ذکر کرتے کرتے آبدیدہ ہو جاتے ہیں۔ پینتیس ہزار مدارس اور لاکھوں طلباء ہر وقت ہمارے مذہب کی ترویج میں مصروف ہیں۔ میڈیا پر دائیں بازو کے لوگ ہر وقت ہماری تربیت کرتے نظر آتے ہیں۔ مگر پھر مثبت نتائج کیوں نہیں نکل رہے۔ ہمارا ملک ترقی کیوں نہیں کر رہا۔ ہم بین الاقوامی سطح پر حقیر کیوں گردانتے جاتے ہیں۔ اور ہاں کشمیر اور فلسطین اب تک ظلم کے چنگل میں کیوں ہیں۔ میں صرف ایک طالب علم ہوں۔ میرے نزدیک ہم آج بھی جدید سوچ، فکری تبدیلی، قانون کی حکمرانی اور انسانی حقوق پر عملی یقین نہیں رکھتے۔ زبانی جمع خرچ تو خیر قیامت ہے۔ ہم نے اپنے ملک کو محیر العقول سیاسی اور مذہبی سوداگروں کے حوالے کر دیا۔ جو بات تو اسلام کی کرتے ہیں مگر ان کی نظر صرف اور صرف اسلام آباد پر ہوتی ہے۔ ہم اپنے دشمن خود ہیں۔ ہم ہر کامیاب انسان اور ملک سے نفرت کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں آج بھی ریاست کی سطح پر ایسے مفروضے پھیلائے جاتے ہیں کہ بس دنیا کو اہمیت نہ دیں۔ یہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔ مگر صاحبان! ہمارے انقلابی مذہب نے دنیا میں حد درجہ محنت، کوشش اور جدت کا علم دیا ہے۔ ہمیں صرف اور صرف اپنی فکر کو تبدیل کرنے کی عملی ضرورت ہے۔ باقی نصیحت کرنے والوں سے تو ہر کونہ بھرا ہوا ہے!